بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کا
شرعی حکم

تالیف:

مولانا ریاض احمد خاں

پیشکش:

ادارہ عوۃ القرآن

۵۹۔محمد علی روڈ،ممبئی۔۴۰۰۰۰۳ ☆ فون:۲۳۴۶۵۰۰۵

پہلا ایڈیشن :۲۰۰۰

نومبر ۲۰۰۸ء

قیمت:۱۲/روپے

Rs./- 12

فہرست

صفحہ	عنوان
۳	فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کا شرعی حکم
۳	ایک غلط بات کی شہرت
۴	غلطی کی تصحیح ضروری ہے
۴	ہر قسم کی حدیث کو حضور کی طرف منسوب کرنے والوں کو آپ کی وعید
۵	احادیث کے بیان میں حضرت ابوبکرؓ کی احتیاط
۷	حضرت عمرؓ کثرت روایت سے منع کرتے تھے
۸	حضرت عمرؓ کثرت روایت سے منع کرنے کا مقصد، انہی کے زبانی
۸	حافظ ابن عبد البرؒ کی تحقیق
۹	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحقیق
۹	حضرت عمرؓ کن حدیثوں کی روایت سے منع کرتے تھے
۱۰	حضرت عمرؓ کے عمل کی حکمت کیا تھی؟
۱۰	حدیث کے بیان میں حضرت عثمانؓ کی احتیاط کی وجہ
۱۱	فتنہ وضع حدیث اور شہادتِ حضرت عثمان غنیؓ
۱۱	فتنہ وضع حدیث کو ختم کرنے کے لئے حضرت علیؓ کے اقدامات
۱۲	عوام میں جھوٹی احادیث کی اشاعت پر، ابن عباسؓ وغیرہ کا ردِ عمل
۱۳	ابن عباسؓ کے ردِ عمل کو ختم کرنے کیلئے حضرت علیؓ کے اقدامات
۱۴	صحیح حدیثوں کے بیان کی ترغیب
۱۵	کس قسم کی حدیثوں کی اشاعت کی جائے
۱۵	حضرت علیؓ کے اس معیار اور اصول کی مقصد
۱۶	محدثین نے اس معیار اور اصول کی مزید توسیع وتوضیح کی
۱۷	محدثین کے اصولوں کا خلاصہ
۱۸	حدیث کے جعلی ہونے کی چند اہم علامات
۱۹	جھوٹی حدیثوں کی اشاعت میں صوفیوں اور زاہدوں کا حصہ اور اس کا مقصد
۲۱	ایک بے اصل خیال کی تردید
۲۲	ضعیف احادیث کے بیان اور عمل پر علماء کی آراء
۲۳	ضعیف حدیث پر عمل اور بیان کی شرطیں
۲۵	شریعت میں مختلف نوعیتوں کے اعمال کی حیثیت کا علم نہایت ضروری بات ہے
۲۷	ضعیف حدیث پر عمل اور اس کے بیان کا حقیقی دائرہ و محل پر امام شاطبیؒ کی محققانہ بحث کا خلاصہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کا

شرعی حکم

ایک غلط بات کی شہرت

یہ بات عوام میں اتنی مشہور ہوگئی ہے کہ دین میں حلت اور حرمت کے ثبوت کیلئے تو حدیث کا صحیح ہونا لازمی وضروری ہے، لیکن اعمال کی ترغیب وفضائل کے بیان میں ہر طرح کی ضعیف احادیث کے بیان، اور ان پر عمل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حد وانتہاء تو یہ ہے کہ عوام تو درکنار، علماء ومحدثین جن کا یہ فرض اور ذمہ داری تھی کہ وہ عوام کے اس غلط خیال کی اصلاح کرتے، اور ان کو یہ بتاتے کہ فضائل وترغیب کے باب میں علماء ومحدثین نے ضعیف احادیث پر عمل اور ان کے بیان کو، جو رخصت واجازت دی ہے اس کا صحیح منشاء ومفہوم کیا ہے؟ آیا یہ اجازت عام ہے یا کچھ شرائط کے ساتھ مشروط، اور اگر شرائط ہیں تو وہ کیا ہیں؟ لیکن معاملہ کی سنگینی اس انتہاء پر پہنچ چکی ہے کہ چند لوگوں کو چھوڑ کر، علماء کی اکثریت اس غلط بات کو ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر تسلیم کرنے لگی ہے۔ مثال کے لئے محترم شیخ الحدیثؒ کی کتاب، تبلیغی نصاب کو دیکھا جاسکتا ہے، جو اعمال کی ترغیب اور فضیلت کے بیان میں احادیث صحیحہ کے ساتھ، ہر طرح کی ضعیف، موضوع اور باطل حدیثوں کے علاوہ فرضی قصے وکہانیوں سے بھی بھری ہوئی ہے۔ اور عوام کا ایک طبقہ ان سب کو حدیث شریف کا درجہ بھی دے چکا ہے۔

غلطی کی تصحیح ضروری ہے

فضائلِ اعمال اور ان کی ترغیب کے لئے ضعیف احادیث کے بیان سے متعلق، اس غلط خیال کے عام ہو جانے کی وجہ سے، شریعت میں ضعیف حدیث کے بیان کی رخصت واجازت کے صحیح موقع ومحل کا تعین اور اس کا علم، نہایت ضروری اور لازمی بات ہوگئی ہے۔ کیوں کہ اسلام کی عمارت جن دو بنیادی ستونوں پر قائم ہے، ان میں ایک قرآن کریم تو دوسرا احادیث رسول، جو حضور کے اعمال واقوال پر مشتمل قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ قرآن کا متن تو بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اس میں کوئی کمی وزیادتی ممکن نہیں ہے، کیوں کہ اس کا محافظ، خود اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن فضائلِ اعمال اور ان کی ترغیب کے معاملے میں، ہر طرح کی احادیث کے بیان اور ان پر عمل کے اس غلط تصور کو نظرانداز کر کے اسی طرح عام ہونے دیا گیا، تو اس سے دین میں فرائض، واجبات اور مستحبات کا وہ باہمی توازن درہم برہم ہو جائے گا، جسے نبی کریم ﷺ نے اپنے قول وعمل سے قائم کیا تھا۔ اور جس کام کے لئے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور بھی تھے۔ فرض اپنے مقام سے گر کر نفل کے درجے میں پہنچ جائے گا تو دوسری طرف نفلی اعمال، سنت ومستحب سے تجاوز کر کے فرض کا مقام حاصل کرلیں گے۔

ہر قسم کی حدیث کو حضور کی طرف منسوب کرنیوالوں کو آپ کی وعید

مزید یہ کہ معاملہ خواہ حرام وحلال کا ہو، یا فرائض وواجبات اور نفلی اعمال کی ترغیب کا، صحیح احادیث کے علاوہ، جانتے بوجھتے، ہر طرح کی حدیث کا حضور کی طرف انتساب، خود آپ ﷺ کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا ہے۔ جس کی جگہ جہنم ہے۔ اور جسے نبی کریم ﷺ نے سخت ناپسند فرمایا ہے۔

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّار ۔(مسلم)

’’جس کسی نے میری طرف جھوٹ منسوب کیا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے‘‘۔

مَنْ حَدَثَ عَنِّي يُرىٰ اَنَّهٗ كَذِبَ فَهُوَ اَحَدَ الْكَاذِبِين ۔(مسلم)

’’جس کسی نے میری طرف منسوب کر کے کوئی حدیث بیان کی اور وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹ بولنے والوں میں یسے ایک ہے۔‘‘

كَفىٰ بِالْمَرءِ كَذِباً اَنْ يحدث بكل مَا سَمِعَ ۔(مسلم)

’’کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ جو کچھ سنے، اسے بیان کرنے لگے۔‘‘

يكون فى آخر الزمان دجالون كذابون يا تونكم من الاحاديث بما لم تسمعوا انتم ولا آباءُ كم، فايا كم وایاهم ، لا يضلونكم ولا يفتنونكم ۔(مسلم)

’’آخری زمانوں میں، بہت زیادہ جھوٹ بولنے والے دجال ہوں گے، جو تم کو ایسی احادیث سنائیں گے، جسے نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے آباء واجداد نے ہی، پس تم کو ان سے لازماً دور رہنا ہے تا کہ وہ تم کو فتنہ اور گمراہی میں مبتلا نہ کر سکیں۔‘‘

احادیث کے بیان میں حضرت ابوبکرؓ کی احتیاط

نبی کریم کے انہیں ارشادات وتنبیہات کی وجہ سے، صحابۂ کرامؓ نے حضور ﷺ کی طرف کسی بات کو منسوب کرنے میں حد درجہ احتیاط برتی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ جو نبی ﷺ کے خلیفۂ اوّل اور صحابہ میں سب سے افضل ہیں، حضور ﷺ کی اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر، جو آپ ﷺ نے صحابہ کو، اپنے آخری زمانے میں کتابتِ حدیث کے سلسلے میں دی تھی، آپ ﷺ کی وفات کے بعد پانچ سو حدیثوں کو ایک صحیفے میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر، حضرت عائشہؓ کے پاس رکھ دیا تھا۔ لیکن بعد میں ذمہ داری اور جوابدہی کے خوف سے، اس صحیفے کو اپنے ہاتھوں سے صرف اس لئے جلا دیا کہ

جن راویوں کی امانت پر اعتماد کر کے میں نے یہ حدیثیں لکھی ہیں، ممکن ہے کہ ان راویوں نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا ہے، نبی کریم ﷺ کی بات حقیقت میں ویسی نہ ہو، اور میں نے اسے اپنے مجموعۂ حدیث میں، مستند حدیث کی حیثیت سے لکھ دیا ہے۔ اس لئے میرا یہ عمل روایتِ حدیث کی احتیاط کے خلاف ہے۔ یہ خیال آتے ہی آپ کی آنکھوں کی نیند حرام ہوگئی، بے چینی میں کروٹیں بدلنے لگے، جسے حضرت عائشہؓ ان الفاظ میں بیان کرتی ہے۔

فبات ليلةً يتقلبُ كثيرًا ۔(تدوین حدیث ص ۲۷۹)

’’پھر ایک رات وہ (حضرت ابوبکرؓ) بہت زیادہ بے چین ہوگئے۔‘‘

پدر محترم کی بے چینی کو دیکھ کر، حضرت عائشہؓ ان کے پاس آئیں اور بے چینی کی وجہ پوچھی۔

اتتقلبُ لشكوىٰ اَوْ بِشَىءٍ بلغک ۔(تدوین حدیث ص ۲۸۰)

’’کیا یہ بے چینی کسی جسمانی تکلیف کی وجہ سے ہے یا کوئی بری خبر آپ تک پہنچی ہے؟

بیٹی کے اس سوال پر حضرت ابوبکرؓ نے کوئی جواب نہ دیا اور جب صبح ہوئی تو ان کو بلا کر یہ فرمایا:

اى بنيت هلمِى الاحاديث التى عندک ۔(تدوین حدیث ص ۲۸۰)

’’اے بیٹی! ان احادیث کو لاؤ جو تمہارے پاس ہیں۔‘‘

حضرت عائشہؓ نے حکم کی تعمیل کی اور پھر کیا ہوا وہ حضرت عائشہؓ ہی سے سنیے:

فَدعا بنارٍ فحرقها۔ (تدوین حدیث ص ۲۸۰)

’’پھر آپ نے آگ منگوا کر، نسخہ حدیث کو جلا دیا۔‘‘

یہ دیکھ کر، حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ آپ نے اس کو کیوں جلا دیا؟ بیٹی کے اس سوال پر حضرت ابوبکرؓ نے، ان کو جو جواب دیا وہ ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔

خشيت ان امرت وهى عندى فيكون فيها احاديث عن رجلٍ قد ائتمنتُهٗ وَثقتهٗ مالَم يكن كما حدثنى ، فَاَكون قد نقلت ذاک ، فهٰذا لايصح۔(تدوین احادیث ص ۲۸۰)

"مجھے اندیشہ ہوا کہ میں مر جاؤں اور حدیثوں کا یہ مجموعہ میرے پاس رہ جائے۔ اور اس میں ایسے شخص کی حدیثیں ہوں، جس کی امانت وثقاہت پر میں نے اعتماد کیا ہے، مگر جو کچھ اس نے مجھ سے بیان کیا ہے، حدیث رسول ﷺ ویسی نہ ہو، اور اسے میں اپنے مجموعہ میں نقل کر چکا ہوں، تو میرا ایسا کرنا درست نہیں ہوگا۔"

حضرت عمرؓ کثرت روایت سے منع کرتے تھے

احادیث کے بیان میں نبی کریم کی تنبیہات، اور صدیق اکبرؓ کی احتیاط اور تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ سیدنا حضرت عمرؓ کثرتِ روایت کو سختی سے منع کرتے تھے۔ جیسے، حضرت ابوہریرۃؓ یوں بیان کرتے ہیں۔

لَو کُنتُ احدِث فی زمان عمر مثل ما احدثکم لَضَربنی بمُخفَّفته ۔ (تدوین حدیث ص ۳۳۹ الذہبی جلد ۱ ص ۷)

"اگر میں عمرؓ کے زمانے میں اس طرح حدیثیں بیان کرتا، جیسے آج تم سے بیان کر رہا ہوں تو عمرؓ مجھے اپنے کوڑے سے مارتے۔"

سعید بن ابراہیمؒ کے حوالے سے الذہبیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے۔

ان عمرؓ حبس ثلاثة، ابن مسعودؓ و ابا درداءؓ، و ابامسعود الانصاری، فقال انک قد اکثرتم الحدیث من رسول الله ۔ (تدوین حدیث ص ۳۳۹ الذہبی جلد ۱ ص ۷)

حضرت عمرؓ نے ابن مسعودؓ، ابودرداءؓ اور ابومسعودؓ انصاری کو حدیثیں بیان کرنے سے روک دیا تھا، اور ان سے کہا کہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے، بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہو۔

شعبیؒ ایک دوسری روایت میں بیان کرتے ہیں کہ قرظہ بن کعبؓ کو حضرت عمرؓ نے دیگر ہدایات

کے ساتھ ایک ہدایت یہ بھی دی تھی کہ تم حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے حدیثیں کم بیان کرو۔

اقلو االروایة عن رسول اللهِ ۔ (تدوین حدیث ص ۳۴۲ جامع جلد ۲ ص ۱۲۰)

"رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے، حدیثوں کے بیان میں کمی کرو۔"

حضرت عمرؓ کا کثرت روایت سے منع کرنے کا مقصد، انہی کی زبانی

حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بکثرت حدیثوں کے بیان سے، حضرت عمرؓ کے روکنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ وہ صحیح اور اہم حدیثوں کی روایت سے بھی لوگوں کو روکنا چاہتے تھے، بلکہ اس سے ان کا منشاء یہ تھا کہ لوگ ان ہی حدیثوں کے بیان تک خود کو محدود رکھیں، جن کے متعلق ان کو پورا اطمینان ہو کہ اس کو انہوں نے جیسے سُنا یا دیکھا ہے ویسے ہی محفوظ کر رکھا ہے اور وہی بیان بھی کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ، خود ہی، ایک حدیث کے حوالے سے اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

من و عاها و عقلها و حفظها فلیحدث بها حیث تنهی بهٖ راحلتهٔ ومن خشی ان لا یعیها، فانی لا احل له ان یکذب عَلَیَّ ۔ (تدوین حدیث ص ۳۴۴ جامع ۱۲۱)

"جس نے حدیث کو اچھی طرح یاد کر کے محفوظ کر لیا ہو، اس کو سمجھ لیا ہو، وہی اس کو ان مقامات تک بیان کرتا چلا جائے، جہاں تک پہنچ کر اس کا اونٹ رُک جائے۔ مگر جس نے اس کو اچھی طرح یاد اور محفوظ نہیں کیا ہے، اس کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ میری طرف جھوٹ منسوب کرے۔"

حافظ ابن عبدالبرؒ کی تحقیق

حافظ ابن عبدالبرؒ، حضرت عمرؓ کے اس مؤقف کی تاویل یوں کرتے ہیں۔

"حضرت عمرؓ کی روایت کے ان الفاظ سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جو شخص کسی حدیث کے تعلق سے کسی قسم کا شک و شبہ رکھتا ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس حدیث کو بیان کرنا چھوڑ دے۔ اور جس نے حدیث کو اچھی طرح یاد کر کے محفوظ کر لیا ہے، اس کے لئے اس حدیث کو بیان کرنا جائز

اور بہتر ہے۔ بہرحال حدیث کے بیان میں کثرت و زیادتی کے جس طریقے کی حضرت عمرؓ روک تھام کرنا چاہتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ بھلی بری، درست و غلط جو بات (حدیث) بھی کان میں پڑی، اسے بیان کرنے لگے۔ وہی لوگ حضرت عمرؓ کے اس حکم کے مخاطب اور مصداق ہیں، اور انہیں ہی حدیث کے بیان کرنے میں احتیاط کرنا چاہیے۔''
(تدوین ص ۳۴۵ جامع جلد ۲ ص ۱۲۴)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحقیق

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت عمرؓ کی خدماتِ حدیث کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے نہایت محققانہ اور بصیرت افروز تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ حضرت عمرؓ حدیث کے پورے ذخیروں میں سے، ان احادیث کے بیان تک لوگوں کو مشغول اور منہمک رکھنا چاہتے تھے، جن کا تعلق فرائض و واجبات، دین و شرائع کی تبلیغ، انسانی افراد کی تکمیل اور قرآنی مطالبات کی عملی تشکیل سے تھا۔ اور وہ احادیث، جن کا تعلق نبی کریم ﷺ کے فضائل، شکل و صورت، لباس و عادات، نوافل و مستحبات اور سنن زوائد سے تھا، حضرت عمرؓ خود بھی ان احادیث کو کم بیان کرتے تھے اور دوسروں کو بھی حکم دیتے تھے کہ ان پر ضرورت سے زیادہ توجہ نہ دیں، اور ان کو کم بیان کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ شاہ صاحب کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

حضرت عمرؓ کن حدیثوں کی روایت سے منع کرتے تھے

اچھی طرح چھان بین اور تلاش و تحقیق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فاروق اعظمؓ کی دقیق و باریک بیں نظر، حدیث کے دونوں حصوں میں فرق و امتیاز کرنے پر جمی رہی۔ یعنی حدیث کا وہ حصہ جن کا تعلق شرائع کی تبلیغ اور قرآنی مطالبات کی عملی تشکیل سے تھا۔ اس میں لوگوں کو مشغول رکھنا

چاہتے تھے اور جن احادیث کا تعلق سنن زوائد، یعنی حضور ﷺ کے خصائل، شکل و صورت اور عادت و لباس سے تھا، اس میں لوگوں کو انہاک سے روکتے تھے۔ حضرت عمرؓ خود بھی ان احادیث کو کم بیان کرتے تھے اور دوسروں کو بھی کم بیان کرنے کا حکم دیتے تھے۔''............

حضرت عمرؓ کے عمل کی حکمت کیا تھی؟

اس وضاحت کے بعد، شاہ صاحبؒ حضرت عمرؓ کے اس عمل کی حکمت کو یوں واضح کرتے ہیں۔ ''چونکہ ان احادیث کا شمار اُن علوم میں نہیں ہے جن کا مکلّف اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بنایا ہے۔ اور ان کی حیثیت عام تشریع و قانون کی نہیں ہے۔ اس لئے اس کا ڈر تھا کہ اگر زیادہ توجہ ان احادیث کے بیان اور اشاعت پر دی جائے گی، تو سنن زوائد (نوافل و مستحبات اور حضور کے خصائل و لباس سے متعلق احادیث) اور سنن ہدیٰ (یعنی فرائض و واجبات، شرائع کی تبلیغ اور قرآنی مطالبات کی عملی تشکیل سے متعلق احادیث) باہم ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو کر، ترجیح اور اہمیت کے اعتبار سے مشتبہ ہو جائیں گی۔'' (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۱۴۱ تدوین حدیث ص ۳۵۶)

حدیث کے بیان میں حضرت عثمانؓ کی احتیاط کی وجہ

خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ بھی احادیث کے بیان میں شیخینؓ کے طریقے پر مضبوطی سے قائم رہے۔ اور حضور کی طرف منسوب کر کے بہت کم روایت کرتے تھے، جسے وہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ما یمنعنی ان احدث عن رسول الله ان لا اکون اوعیٰ اصحابهٖ عنه ، ولکِنّی اَشهدُ لسَمِعْتُهٗ یقول من قال علی مَا لَمْ اَقُلْ، فلیتبوأ مقعدهٗ من النار۔ (مسند، تدوین حدیث ص ۴۰۱)

''رسول ﷺ کی طرف منسوب کر کے حدیثوں کے بیان میں مجھے یہ مانع نہیں ہے کہ میں

حدیثوں کو یاد رکھنے میں دوسرے صحابہؓ سے کمتر ہوں۔ لیکن بات یہ ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے میری طرف منسوب کر کے کوئی ایسی بات کہی، جو میں نے نہیں کہی ہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

فتنہ وضع حدیث اور شہادتِ حضرت عثمان غنیؓ

حضرت عثمانؓ کی شہادت جن فتنوں کی وجہ سے ہوئی، اس میں دوسرے فتنوں کے علاوہ ایک سب سے بڑا فتنہ جھوٹی باتوں کو، حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کرنے کا تھا، جسے ابن سبا اور اس کے ساتھی، لوگوں میں پھیلاتے رہے اور بالآخر حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔

حضرت علیؓ نے فتنوں کے اس پُر آشوب زمانے میں خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ اس لئے اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں آپؓ کو فتنہ وضع حدیث کی طرف متوجہ ہونے کا موقع مختلف وجوہات کی بنا پر نہ مل سکا۔ اور اندر ہی اندر یہ فتنہ پھیلتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ کی جماعت کے ایک مقتدر بزرگ مسیّب بن نخبہؓ نے ایک دن دشمن دین، عبداللہ بن سبا کو پکڑ کر اسے کوفہ کی مسجد جامع میں منبر کے سامنے کھڑا کر کے اعلان عام کیا کہ یہ ابن سبا اللہ کے رسول کی طرف جھوٹی باتیں بنا بنا کر منسوب کرتا ہے۔ (لسان المیزان ص ۲۸٦ تدوین حدیث ص ۴۴)

فتنہ وضع حدیث کو ختم کرنے کیلئے حضرت علیؓ کے اقدامات

بالآخر حضرت علیؓ نے اس فتنے کی طرف توجہ فرمائی اور اعلان عام فرمایا کہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ اور خود ابن سبا کو بلا کر آپ نے اسے لعنت ملامت کی کہ میری طرف منسوب کر کے جو حدیثیں تو پھیلاتا پھرتا ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے کچھ خصوصی علم عطا فرمایا ہے، جس سے عام صحابہ محروم ہیں۔ یہ بالکل جھوٹی بات ہے اور صحابہؓ کے مجمع عام میں آپؓ نے ابن سبا

کے اس غلط اور جھوٹے پروپیگنڈے سے برأت کا اعلان فرمایا۔ اور ملعون ابن سبا کو کوفہ بدر کرنے کا حکم دیا۔ کوفہ سے نکال دیئے جانے کے باوجود بھی، ابن سبا اور اس کے ساتھی، نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی حدیثوں کو پھیلاتے رہے۔ آخر کار، حضرت علیؓ نے ابن سبا اور اس کے ساتھیوں کو زندہ جلا دینے کا فیصلہ کیا، اور سزا نافذ کر دی گئی۔ جسے حافظ ابن حجرؒ یوں بیان کرتے ہیں۔

قد احرقهم علیٰ خلافته۔ (میزان ص ۲۹۰ تدوین ص ۴۴۰)

''حضرت علیؓ نے) ان کو اپنی خلافت کے زمانے میں جلا دیا۔''

وضع حدیث کے اس فتنے کے سد باب کے لئے حضرت علیؓ کا اتنا سخت اقدام بھی بہت زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوا، کیوں کہ ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے کوفہ، بصرہ، حجاز، مصر اور شام ہر مقام پر عوام میں بہت ساری جھوٹی حدیثیں پھیلا دی تھیں اور ان کو حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب کے نام سے عوام میں مستند و مقبول بنا چکے تھے۔

عوام میں جھوٹی احادیث کی اشاعت پر، ابن عباسؓ وغیرہ کا ردعمل

نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث کے ساتھ، جھوٹی حدیثوں کے باہمی اختلاط کے باعث، ردعمل کے طور پر، حضرت ابن عباسؓ اور کچھ دوسرے لوگوں نے صحیح احادیث کے بیان کو بھی ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیوں کہ ان کی نظر میں اس فتنہ سے نجات کی یہی ایک شکل تھی، جسے ابن عباسؓ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

انا كنا نُحدّث عن رسول الله ، إذا لم يكن يُكذبُ عليه، فاما اذا ركب الناس الصعب والذلول، تركنا الحديث عنهُ۔ (مسلم تدوین حدیث ص ۴۴۳)

''ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے، اس زمانے میں حدیثیں بیان کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ پر جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا۔ لیکن جب لوگ ہر اچھے اور بُرے اونٹ پر سوار ہونے

لگے (یعنی حدیث کے بیان میں جھوٹ اور سچ کی تمیز ختم ہوگئی) تو ہم نے حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے حدیثوں کا بیان کرنا ہی ترک کر دیا۔''

اس نئی و نہایت پیچیدہ صورت حال میں، حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھیوں کو بیک وقت دو فتنوں کا سامنا تھا۔ ایک یہ کہ جھوٹی حدیثوں کے فتنے کو مزید پھیلنے سے روکنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ اور دوسرے صحیح حدیثوں کے ساتھ، جھوٹی حدیثوں کے اختلاط کی وجہ سے کچھ لوگوں میں، صحیح حدیثوں کی روایت کو بھی بالکلیہ ترک کر دینے کا جو رجحان ایک دوسرے خطرے کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا، اس کو روکنے کے لئے اقدام کیا جائے۔ کیوں کہ بصرہ میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی تھی جو علانیہ کہتی تھی۔

لا تحدثونا الا باالقرآن (کفایہ جلد ا ص ۱۵ تدوین ص ۴۴۲)

''قرآن کے علاوہ ہم سے کچھ نہ بیان کرو۔''

ابن عباسؓ کے ردِّ عمل کو ختم کرنے کیلئے حضرت علیؓ کے اقدامات

ان حالات میں، حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھیوں نے ایک طرف تو بالکلیہ ترک حدیث کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے، صحیح احادیث کے بیان کی ترغیب دینی شروع کر دی۔ اور لوگوں کو سمجھایا کہ جھوٹی حدیثوں کی وجہ سے، صحیح احادیث کے بیان کو ترک کر دینا، دین کے بڑے حصے کو ترک کر دینے کا ہم معنیٰ ہے۔ اس لئے اے لوگو! تم ہم سے اور دوسرے ثقہ لوگوں سے حدیثوں کا علم حاصل کرو۔ اور اسے دوسروں تک پہنچاؤ بھی۔ اور حدیث کے بیان میں احتیاط کا وہ اصول جو آپ نے اپنے پیش رو خلفاء سے سیکھا تھا ترک کر دیا۔ اور سنن ہدیٰ (یعنی فرض و واجبات کے بیان پر مشتمل احادیث) اور سنن زوائد (یعنی مستحبات اور حضور کے فضائل کے بیان پر مشتمل) دونوں یکساں اہمیت و انداز سے بیان کرنا شروع کر دیا۔ تا کہ حضور کا ہر عمل اور سنت لوگوں تک پہنچ جائے

اور کوئی سنت پہنچنے سے باقی نہ رہے۔

صحیح حدیثوں کے بیان کی ترغیب

چنانچہ کہاں اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں حدیث کے بیان میں آپ کی احتیاط، کہ جو حدیثیں لکھ کر اپنی تلوار کی نیام میں رکھی تھیں، انہیں بڑی ردّ و کد کے بعد لوگوں کو دکھانے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں، اور کہاں کوفہ میں حالات کے بدل جانے کی وجہ سے، بر سر منبر یہ اعلان کرتے ہیں کہ ایک درہم میں علم حدیث کا کثیر ذخیرہ مجھ سے کون خریدتا ہے؟ اور لوگ کاغذ لے کر حاضر ہوتے ہیں اور آپ اپنے ہاتھ سے لکھ کر حدیثیں لوگوں کے حوالے کرتے جاتے ہیں۔ لوگوں کو بلا بلا کر، پکڑ پکڑ کر، احادیث سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگو! مجھ سے اللہ و رسول کے احکام کے بارے میں پوچھو؟ بنی عامر کے ایک شخص کو بلا کر اس سے یہ فرماتے ہیں:

یا اخابنی عامر، سلنی عما قال اللہ و رسولہٗ فانا اھل البیت اعلم بما قال اللہ و رسولہ۔ (ابن سعد جلد ۶ ص ۲۶۷ تدوین ص ۴۵)

''اے بنی عامر کے بھائی مجھ سے اللہ و رسول کے احکام کے بارے میں سوال کرو؟ کیوں کہ ہم اہل بیتِ رسول ﷺ، اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو زیادہ جانتے ہیں۔''

آپ کے ساتھی حضرت عمران بن حصینؓ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ سارے ارکان کا ذکر کر کے، لوگوں سے سوال کرتے تھے کہ اگر تم لوگوں نے صحیح احادیث کو ترک کر دیا تو نماز کی رکعتیں، اوقات، تعداد، رکوع، سجود اور اسی طرح کے دوسرے ارکان کی تفصیلات تم کیسے اور کہاں سے سیکھو گے؟ اور بلند آواز سے لوگوں کو آگاہ و خبردار کرتے تھے۔

خُذُوا عنا فانکم وَاللّٰہِ ان لم تفعلوا لَضَلَلْتُم۔ (کفایہ ص ۱۵ تدوین حدیث ۴۵۳)

''ہم اصحاب رسول اللہ ﷺ سے دین کا علم (حدیث) حاصل کرو۔ خدا کی قسم اگر تم لوگوں

نے ایسا نہ کیا تو یقیناً گمراہ ہو جاؤ گے۔''

کس قسم کی حدیثوں کی اشاعت کی جائے

ایک طرف اگر اس خطرناک صورت حال کے مقابلے کے لئے صحیح احادیث کو معتبر اور ثقہ راویوں سے اخذ کرنے، اور ان کو دوسروں تک پہنچانے کی انتہائی ترغیب تھی، تو دوسری طرف جھوٹی اور جعلی حدیثوں کو صحیح احادیث سے جدا اور ممتاز کرنے کیلئے، حضرت علیؓ نے مسلمانوں کو ایک کسوٹی اور معیار بھی عطا فرمایا، جسے علامہ ذہبیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون۔ (تذکرہ ص ۱۲ تدوین ص ۴۵۳)

''انہی احادیث کو لوگوں سے بیان کرو، جو لوگوں میں معروف ہوں (یعنی قرآن وسنت متواترہ کے مطابق ہوں) اور جو انجانی اور غیر معروف احادیث ہوں، انہیں چھوڑ دو۔''

صحیح احادیث کی بقا و تحفظ کے لئے، حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھیوں کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے ساتھیوں نے، قطعاً ترک حدیث کے اپنے فیصلے اور مؤقف سے نہ صرف رجوع کر لیا، بلکہ حضرت علیؓ کے مؤقف اور معیار کو حق مان کر اسے قبول کر لیا، جسے وہ اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

لم نا خذالناس الامانعرف۔ (مسلم)

''ہم لوگوں سے صرف انہیں احادیث کو لیتے ہیں جسے ہم جانتے پہچانتے ہیں۔''

حضرت علیؓ کے اس معیار اور اصول کا مقصد

حدیث کے اخذ وقبول کے بارے میں حضرت علیؓ کی اس کسوٹی اور معیار کا منشاء یہ ہے کہ صرف، انہیں احادیث کو قبول و بیان کرنے پر توجہ صرف کرنا چاہئے، جو قرآن وسنت ثابتہ اور متواترہ

کی تعلیم کی روح سے مطابقت رکھتی ہوں۔ اور جس سے عوام اچھی طرح مانوس اور واقف ہوں۔ اور جو غیر معروف اور مجہول ہوں انہیں بیان کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

محدثین نے اس معیار اور اصول کی مزید توسیع و توضیح کی

چنانچہ حدیثوں کے بیان اور ان کے رد و قبول کا یہ معیار اور کسوٹی وہ ہے، جسے بعد کے زمانوں میں، محدثین کرام نے جھوٹی اور جعلی حدیثوں کو صحیح احادیث سے جدا اور الگ کرنے کے لئے ایک مستقل معیار کی حیثیت سے قبول و اختیار کر لیا۔ اور حدیثوں کے رد و قبول میں جس کا لحاظ ہر زمانے میں ضروری و لازمی قرار پایا۔ اور اس کی مزید توضیح و تشریح فرمائی۔

چنانچہ علامہ ابن جوزیؒ اس معیار و اصول کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

کل حدیث رأیتهٗ یخالف العقول اَوْ یتناقص الاصول ، فاعلم انهٗ موضوعٌ۔

(المقاصد الحسنۃ ص ۹۲ تدوین حدیث ۴۵۴)

''ہر وہ حدیث جسے تم عقل اور اصول کے خلاف پاؤ، تو جان لو کہ موضوع اور گھڑی ہوئی ہے۔''

ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ کتنی سچی بات کہی ہے اس عالم نے جس نے یہ لکھا ہے۔

کل حدیثٍ رأَیْتَهٗ تخالفهٗ العقول و تناقصهٗ الاصول و تباینهٗ النقول فاعلم انهٗ موضوع ۔ (السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی ص ۹۹)

''ہر وہ حدیث جو عقل کے خلاف ہو اصول (قرآن وسنت سے ماخوذ اصول) کے منافی ہو اور منقول (قرآن وسنت ثابتہ) سے متصادم ہو تو جان لو کہ یہ موضوع اور گھڑی ہوئی ہے۔''

علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس معیار و اصول کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

او یکون مما یدفعهٗ الحِسّ و المشاهدة او مبایناً لبعض الکتاب و السنةِ المتواترة او الاجماع القطعی، حیث لا یقبل شیٌ من ذٰلک التاویل ۔ (فتح الملہم ص ۱۶)

"یا حدیث ایسی ہو جسے انسانی حس و مشاہدہ مسترد کردے، یا قرآن و سنت متواترہ کے کسی حصے سے متصادم ہو، یا قطعی اجماع کے خلاف ہو، یہاں تک کہ جسمیں کسی بھی تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو۔"

دوسرے مقام پر اسی معیار کی تشریح یوں کرتے ہیں:

ای ما یوافق المعروف او نعرف فیه امارات الصحة و سمات الصدق، (فتح الملہم ص ۱۲۸ تدوین حدیث ص ۴۵۵)

"یعنی حدیث جانی پہچانی معروف احادیث کے موافق ہو، اور اس میں صحت کی نشانیاں اور سچائی کی علامات پائی جائیں۔

حضرت علقمہؒ جو عبداللہ بن مسعودؓ کے حلقے کے ایک رکن تھے، یہ فرماتے ہیں:

ان من الحدیث حدیثاً لهٗ ضوءٌ کضوء النهار تعرفهٗ، و ان من الحدیث حدیثاً، لهٗ ظلمةٌ کظلمة الیل تنکرهٗ۔ (تدوین حدیث ص ۴۵۷)

"حدیثوں میں بعض احادیث کی روشنی دن کی روشنی کے مانند ہے، جس سے تم مانوس ہو اور جانتے ہو، اور حدیثوں میں کچھ ایسی بھی ہیں جن کی تاریکی رات کی تاریکی کی طرح ہے، جس کو تم نہیں جانتے اور نہ پسند کرتے ہو۔"

محدثین کے اصولوں کا خلاصہ

محدثین کے ان اصولوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جو حدیث بھی، قرآن و سنت ثابتہ، اجماع، تاریخ، مشاہدہ، عقل، تجربہ، اصول عامہ، اخلاق و ادب اور دین کے مجموعی مزاج کے خلاف ہو، وہ جعلی اور موضوع ہے۔ اسے نبی کریم ﷺ کی طرف کسی بھی حال میں اور کسی مقصد کے لئے منسوب کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ بعض اوقات سند حدیث میں کسی کلام و بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، مگر حدیث فی الواقع موضوع اور گھڑی ہوئی ہوتی ہے، جسے ابن جوزیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

قد یکون الاسناد کله ثقات و یکون الحدیث موضوعٌ۔ (کتاب الموضوعات باب ۳، فتنہ وضع حدیث ص ۷۸)

"کبھی اسناد ثقات اور معتبر ہوتی ہیں، لیکن حدیث موضوع ہوتی ہے۔"

حدیث کے جعلی ہونے کی چند اہم علامات

محدثین نے موضوع حدیث کے متن کے جعلی اور گھڑے ہونے کی علامات اور پہچان تو بہت سی بیان کی ہیں۔ ان میں چند اہم اور معروف علامات کو مزید وضاحت کی غرض سے بیان کرنا مناسب و ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ حدیث کے الفاظ اتنے اوچھے اور رکیک ہوں، جس کی توقع کسی فصیح و بلیغ انسان سے نہ کی جاسکتی ہو، یا اس کے مفہوم میں کوئی ایسی غلطی ہو، جس کی امید کسی خدا ترس عالم سے نہ ہو۔ چہ جائیکہ اس کی نسبت ہادی اعظم منبع فصاحت و بلاغت حضور ﷺ کی طرف کی جائے۔

۲۔ حدیث عقلِ صریح کے خلاف ہو۔ جس کی تاویل نہ کی جاسکتی ہو۔ مثلاً: یہ حدیث کہ "نوح علیہ السلام کی کشتی نے سات مرتبہ کعبہ کا طواف کیا، اور مقام ابراہیم کے نزدیک دو رکعت نماز ادا کی۔ (علوم الحدیث ص ۲۶۵، فتنہ وضع حدیث ص ۷۹)

۳۔ حدیث حکمت اور اخلاق کے عام اصولوں کے خلاف ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ "ترکوں کا ظلم؟ اور نہ عربوں کا عدل۔" (موضوعات کبیر ص ۷ ۳ فتنہ وضع حدیث ص ۸۰)

۴۔ قرآن کی محکم آیات کے خلاف ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ "زنا کی اولاد جنت میں نہ جائے گی۔ یہ قرآن کی آیت لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۔...... کے خلاف ہے۔ (فتنہ وضع حدیث ص ۸۰)

۵۔ مشہور و معروف حدیث کے خلاف ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ "جب تم سے کوئی حدیث بیان کی جائے جو حق کے مطابق ہو تو اسے قبول کرلو، خواہ میں نے اسے کہا ہو یا نہیں۔" یہ اس مشہور حدیث مَنْ

كذب علی متعمداً فليتبوأُ معقده من النار ...... کے خلاف ہے۔(فتنہ وضع حدیث ۸۰)

۶۔دین کے مجموعی مزاج کے خلاف ہو۔مثلاً یہ حدیث کہ'' سو سال کہ بعد کوئی بچہ ایسا پیدا نہ ہوگا جس کی اللہ کو ضرورت ہو۔'' یا جس کو بچہ پیدا ہو اس نے اس کا نام محمد رکھا، تو بچہ اور اس بچے کا باپ جنت میں جائیں گے۔'' (تذکرہ الموضوعات ص ۱۲۸ فتنہ وضع حدیث ص ۸۴)

۷۔چھوٹے عمل پر اجر عظیم اور چھوٹے گناہ پر عذاب الیم کی وعید سنائی گئی ہو۔مثلاً یہ حدیث کہ '' جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔'' یا یہ حدیث کہ جس نے مسجد نبوی میں چالیس نمازیں، مسلسل با جماعت ادا کیں، اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔'' (فتنہ وضع حدیث ص ۸۴)

۸۔روایت میں مروجہ تصوف کی تعلیم ہو۔مثلاً یہ حدیث کہ'' جو شخص اللہ کے ساتھ بیٹھنا پسند کرتا ہو وہ اہل تصوف کیساتھ بیٹھے۔'' (تذکرۃ الموضوعات ص ۱۵۷ فتنہ وضع حدیث ص ۸۸)

۹۔حدیث میں مختلف دنوں اور اوقات کی نمازوں کی تعلیم ہو۔مثلاً جمعہ کی رات کی نماز ہفتہ کی رات کی نماز، اتوار کی رات کی نماز، شعبان کی نماز، رجب کی نماز، اویس کی نماز، صلوٰۃ معکوس وغیرہ کے سلسلے میں جتنی احادیث ہیں سب موضوع وجعلی ہیں۔(فتنہ وضع حدیث ص ۸۹)

جھوٹی حدیثوں کی اشاعت میں صوفیوں اور زاہدوں کا حصہ اور اس کا مقصد

جھوٹی حدیثوں کے گھڑنے اور ان کو پھیلانے کا جو سلسلہ دشمنِ اسلام، ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے، اسلام کا لبادہ اوڑھ کر شروع کیا تھا۔وہ بعد کے زمانوں میں بھی مختلف اسباب ومحرکات کے تحت جاری رہا۔جھوٹی حدیثوں کے گھڑنے اور پھیلانے میں جہاں ایک طرف دینِ اسلام کے حقیقی دشمن، مسلمانوں کے بھیس میں تھے، تو دوسری طرف کچھ نادان مسلمانوں نے بھی جہالت و نادانی کی وجہ سے ، نہ صرف جھوٹی حدیثیں گھڑیں ، بلکہ اس کو پوری قوت سے مسلمانوں میں

پھیلائیں۔جن میں ایک گروہ وہ بھی تھا جو عوام الناس میں صالحین اور اہل خیر کے مقدس ناموں سے مشہور تھا، جس کا ذکر امام مسلمؒ نے اپنے مقدمہ میں محمد بن ابی عتاب کے حوالے سے ان الفاظ میں کیا ہے۔

لم نر الصالحين فی شیءٍ اكذب منهم فی الحديث۔(مقدمہ مسلم)

'' ہم نے بعض صالحین (صوفیاء) سے زیادہ، کسی کو حدیث کے معاملہ میں جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔''

لم نر اهل الخير فی شیءٍ اكذب، مِنهم فی الحديث ۔(مقدمہ مسلم)

'' ہم نے بعض اہل الخیر (صوفیاء) سے زیادہ، کسی کو حدیث کے معاملے میں جھوٹ بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔

امام مسلمؒ خود ان صالحین اور اہل الخیر کے جھوٹ کا حال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

يجری الكذب علیٰ لسانهم ولا يتعمدُّون الكذب ۔(مقدمہ مسلم)

'' (حدیث کے بیان میں) کسی قصد و ارادہ کے بغیر، جھوٹ ان کی زبانوں پر جاری رہتا ہے۔''

مولانا محمد سعود عالم قاسمی صاحب، اپنی کتاب '' فتنہ وضع حدیث'' میں وضع حدیث کے مختلف اسباب ومحرکات میں سے کچھ کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

وضع حدیث کا ایک بڑا سبب ترغیب و ترہیب ہے، یعنی اعمال و اذکار کے فضائل اور عیوب و مفاسد کی تردید بھی وضع حدیث کا محرک رہی ہے۔دوسروں کی اصلاح اور عمدہ اصولوں کو رواج دینا بجائے خود ایک نیک مقصد ہے۔ہر مسلمان جب دین کے خلاف کسی عمل کا رواج دیکھتا ہے تو اس میں اس کی اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔بہت سے سادہ لوح دینداروں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے معاشرے میں ایسی چیزیں مروج ہیں، جو ان کی نظر میں دین کے خلاف ہیں، یا لوگ دین کی باتوں پر عمل نہیں کر رہے ہیں، تو انہوں نے مطلوبہ اعمال و وظائف کی فضیلت بڑھانے کے لئے

حدیثیں گھڑنی شروع کر دیں، تاکہ ان کا وزن ہو اور لوگ انہیں اختیار کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کی سنت کی اشاعت اور دین کی خدمت کے نام پر، خود دین پر تیشہ چلایا جانے لگا۔ اس قسم کی ایک کوشش قرآن کریم کی تلاوت پر آمادہ کرنے کے لئے، سورتوں کے فضائل اور آیات کی اہمیت کے فضائل میں، حدیث کا انبار لگا دیا گیا۔ چنانچہ تفسیر کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے بہت سی ایسی روایات سے سابقہ پڑتا ہے، جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ دوسری کوشش لوگوں میں خوفِ خدا پیدا کرنے کے لئے اور شوق و رغبت دلانے کے لئے کی گئی، جو عام اوراد و نوافل سے متعلق ہے۔ (فتنہ وضع حدیث ص ۶۱۔۶۲)

وضع حدیث میں ایک بڑا حصہ کم علم زاہدوں و صوفیوں کا رہا ہے۔ ان حضرات نے ترک دنیا، گوشہ نشینی اور مخصوص اعمال و مراسم کی تعلیم کے لئے صحیح احادیث کے ساتھ، موضوع روایات کی اشاعت کی۔ ایک طرف تو زہد و تصوف کے متعلق جو سچی جھوٹی حدیثیں ان کو ملیں، انہوں نے بلا سوچے سمجھے ان کو قبول کر لیا اور رائج کر دیا۔ عام لوگوں نے ان کی صورت اور ظاہری دینداری کو دیکھ کر ان کی بیان کردہ احادیث پر، شک و شبہ نہیں کیا، اور نہ نقد و تبصرہ کی ضرورت ہی محسوس کی۔ اس طرح ذخیرۂ احادیث میں غیر معتبر روایات کا بڑا حصہ داخل ہو گیا۔ تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے تو ایسی روایات اس کثرت سے ملتی ہیں کہ صحیح روایات ان میں گم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ یہ حال صرف ان ہی لوگوں کا نہیں ہے، جن کو قرآن و حدیث کی واقفیت کم تھی، اور زاہد و صوفی بننے کا شوق زیادہ تھا، بلکہ عالم و فقیہ صوفیاء کا حال بھی یکساں ہے جو شریعت کے مزاج شناس کہلاتے ہیں انہوں نے بھی حدیث کے نام پر تمام رطب و یابس کو اکٹھا کر دیا ہے۔ (فتنہ وضع حدیث ص ۶۴۔۶۵)

ایک بے اصل خیال کی تردید

حدیث کے بیان میں نبی کریم ﷺ کی تنبیہات، خلفائے راشدینؓ و صحابۂ کرامؓ کی احتیاط

کی اتباع میں، محدثین و علماء نے صحیح احادیث کو ضعیف حدیثوں سے الگ کرنے کیلئے، جو اصول و معیار مقرر فرمائے ہیں، ان کی موجودگی میں یہ خیال کہ فضائل اعمال کے باب میں بغیر شرط کے، ہر قسم کی احادیث کو بیان یا اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ ایک بے اصل اور لغو خیال ہے، بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جہاں کچھ علماء و محدثین نے، اعمال کی ترغیب و فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل اور اس کے بیان کے لئے شرطیں عائد کی ہیں، تو وہیں کچھ محدثین و علماء ایسے بھی ہیں، جو حلت اور حرمت کی طرح، فضائل اعمال کے باب میں بھی ضعیف حدیث کے بیان اور ان پر عمل کو غلط قرار دیتے ہیں۔

ضعیف احادیث کے بیان اور عمل پر علماء کی آراء۔

چنانچہ حافظ السخاویؒ، القول البدیع میں لکھتے ہیں کہ امام قاضی ابن العربی المالکیؒ وغیرہ علماء، فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے بیان اور عمل کو مطلقاً غلط قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اِذجزم بعدم جواز العملِ بالضیف مطلقاً ۔ (القول البدیع، بحوالہ الاعتصام جلد ا ص ۹۸۱)۔

’’تب یقیناً ضعیف حدیث پر عمل کا جواز ہی نہیں ہے۔‘‘

لَا یعمل بہٖ مطلقاً ۔ (القول البدیع ص ۱۹۵)

’’ضعیف حدیث پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔‘‘

جو علماء ضعیف حدیث کے بیان اور ان پر عمل کے قائل ہیں، شرطیں عائد کرتے ہیں جنہیں ابن دقیق العیدؒ اس طرح واضح کرتے ہیں۔

العمل بالحدیث الضعیف مقید بشرط (احکام الاحکام جلد ۲ ص ۱۷۱، ۲، راہ سنت ص)

’’ضعیف حدیث پر عمل شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔‘‘

مولانا حافظ حبیب الرحمٰن کاندھلوی لکھتے ہیں کہ فضائلِ اعمال کی ترغیب میں ضعیف روایات قابل قبول ہیں۔ یہ ایک ایسا مسلمہ بن گیا ہے جسے آج تمام علماء نے اپنا نصب العین بنا رکھا

ہے۔لیکن صحیح بات یہ ہے کہ متقدمین ضعیف احادیث کو قطعاً قبول نہیں کرتے۔یہ دوسری بات ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر جرح نہ کریں۔اور جن حضرات کے نزدیک ضعیف روایات فضائل اعمال میں قابل قبول ہیں، ان کے یہاں بھی چند شرائط ہیں، اور بلا شرط ،ضعیف روایات قبول نہیں کی جاتیں۔حافظ ابن حجرؒ نے ان کی چار شرائط بیان کی ہیں۔'' (۱) روایت شدید ضعیف نہ ہو۔ (۲) کسی اصول شریعت کے خلاف نہ ہو (۳) اُسے حدیث سمجھ کر، یا اسے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے عمل نہ کیا جائے (۴) اس پر عمل اتفاقی (وانفرادی) ہو اجتماعی (ودائمی) نہ ہو۔'' (مذہبی داستانیں حصہ دوم ص ۳۹۳)

ضعیف حدیث پر عمل اور بیان کی شرطیں

حافظ السخاویؒ اپنے شیخ حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے '' القول البدیع'' میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے مختلف طرح سے، متعدد بار یہ لکھا اور ارشاد فرمایا کہ ضعیف حدیث پر عمل کے لئے مختلف شرائط میں سے تین شرطیں نہایت ہی اہم اور متفق علیہ ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔اَنْ یَکُوْنَ الضعف غیر شدید '' حدیث بہت زیادہ ضعیف نہ ہو۔'' (اس طرح سے وہ ان احادیث سے الگ ہو جاتی ہے جس کے کسی راوی پر جھوٹ کا الزام ہو یا فحش غلطیاں کرنے اور بہت زیادہ جھوٹ بولنے میں منفرد اور نمایاں ہو)۔

۲۔ اَنْ یَکُوْنَ مندرجاً تحت اصل عام '' وہ حدیث شریعت کے عام قاعدے اور اصل کے مطابق اور اس کے تحت آتی ہو۔'' (اس شرط سے وہ ان جعلی احادیث کی فہرست سے الگ ہو جاتی ہے جن کی شریعت میں کوئی اصل ہی نہیں ہے۔

۳۔ اَن لا یعتقد عندالعمل بہٖ ثبوتہ۔اسے حدیث سمجھ کر یا اسے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے عمل نہ کیا جائے۔(تا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب ہو جانے کا جرم

لازم نہ آئے جو آپ نے نہیں فرمائی ہے)

امام شاطبیؒ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کی شرائط کی بحث کے بعد یہ لکھتے ہیں کہ :

وھٰذا کلہ علی فرضٍ ان لا یعارض الحدیث اصل من اصول الشریعة و اما اذا کان لہٗ معارض، فاحریٰ ان لا یوخذ بہٖ ھدم الاصل من اصول الشریعة، والاجماع علی منعہٗ اذا کان صحیحاً فی الظاھر۔ (الاعتصام جلد ا ص ۱۷۹)

'' اور یہ سب (رخصتیں اور اجازت) اس اصول پر مبنی ہیں کہ حدیث اصول شریعت کی کسی اصل کے خلاف نہ ہو۔اور اگر حدیث اصول شریعت کی کسی اصل کے خلاف ہے تو شریعت کے اصول کی اصل کے خلاف ہونے کی وجہ سے، اسے ترک کر دیا جائے گا۔اور اس کے ترک پر اجماع ہے اگر چہ ظاہری اعتبار سے وہ صحیح ہی کیوں نہ وہ۔''

مذکورہ بالا شرائط معمولی حذف و اضافہ کے ساتھ تمام محدثین و علماء کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی ضعیف حدیث میں، اگر یہ شرطیں یا ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پوری ہوتی ہو تو اس حدیث کو اعمال کے فضائل کی ترغیب میں بھی بیان کرنا یا اس پر عمل کرنا، کسی بھی حال میں درست اور جائز نہیں ہے۔بالخصوص تیسری اور چوتھی شرطیں '' یعنی اسے حدیث سمجھ کر یا نبی کی طرف منسوب کر کے عمل نہ کیا جائے۔اور عمل دائمی اور اجتماعی نہیں، بلکہ اتفاقی اور انفرادی ہو۔'' تو ایسی شرائط ہیں کہ ان کا خاطر خواہ اہتمام کرنے سے ضعیف احادیث کا بیان اور ان پر عمل قطعی طور پر اگر بند نہ ہوگا تو فضول اور لایعنی کام ہو کر، نہ صرف یہ کہ بڑی حد تک کم ہو جائے گا، بلکہ رفتہ رفتہ بالکل ختم بھی ہو جائے گا۔کیوں کہ جس حدیث کے بارے میں کسی مؤمن کا عقیدہ یہ ہو کہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے تو اس پر عمل کیلئے، اس کے دل میں نہ صرف یہ کہ کسی تحریک اور جذبہ کا پیدا ہونا محال ہے، بلکہ اپنے اس عقیدہ و یقین کی وجہ سے وہ اسے فراموش اور ترک کرنے پر مجبور ہوگا۔اور یقیناً ترک کر دینے کے بعد ہی اسے اطمینان قلب حاصل ہوگا۔اس طرح ان شرائط کا خلاصہ اور حاصل یہ

ہے کہ فضائلِ اعمال میں بھی ضعیف حدیث کوترک کرنا ہی صحیح اور معقول عمل ہے۔

ان شرطوں کے علاوہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ ضعیف حدیث پرعمل سے اگر دین میں کوئی نیا شعار قائم ہوتا ہو،تو اس پرعمل کرنا غلط اور ممنوع ہے، جیسے ابن دقیق العیدؒ یوں بیان کرتے ہیں۔

فان احدث شعاراً فی الدین منع منه۔ (احکام الاحکام جلد ا ص ۵۱ راہ سنت ص) ''اس پرعمل سے دین کے اندر کوئی نیا شعار پیدا یا قائم ہوتا ہو تو اس سے منع کیا جائے گا۔''

شریعت میں مختلف نوعیّتوں کے اعمال کی حیثیت کا علم نہایت ضروری بات ہے

فضائلِ اعمال کی ترغیب کے لئے ضعیف احادیث کا بیان، اور اس پرعمل کی اجازت ورخصت کا صحیح محل اور منشاء محدثین وعلماء کے نزدیک کیا ہے؟ اس کو نہایت واضح اور صحیح طور سے سمجھنے کے لئے شریعت میں مختلف نوعیّتوں کے اعمال کی مختلف حیثیات کا صحیح علم، اور معرفت کا حاصل ہونا نہایت لازمی وضروری بات ہے۔ چنانچہ شریعت کی نظر میں کسی عامل کا کوئی عمل درج ذیل تین نوعیّتوں اور حالتوں میں سے کسی ایک حالت پر ہوگا۔

اولاً: عمل اجمالاً اور تفصیلاً دونوں حیثیتوں میں نصِ صحیح سے (یعنی قرآن وسنت سے) ثابت ہو۔

دوم: عمل اجمالاً اور تفصیلاً دونوں حیثیتوں میں نصِ صحیح سے (یعنی قرآن وسنت سے) ثابت نہ ہو۔

سوم: عمل اجمالاً تو نص صحیح سے ثابت ہو لیکن تفصیلاً ثابت نہ ہو۔

پہلی قسم کے اعمال میں پانچ وقت کی فرض نماز، وتر کی نماز، تہجد کی نفلی نماز، رمضان کے فرض روزے، شوال، عاشوراء اور عرفہ کے نفلی روزے وغیرہ جیسے اعمال شامل ہیں جو اجمالاً کے ساتھ ساتھ تفصیلاً (دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی تفصیل کے ساتھ) بھی نص صحیح سے ثابت ہیں۔ اس لئے فرائض اور ایسے مستحب نفلی اعمال جن کا اجمال اور تفصیل دونوں نص صحیح سے ثابت ہو، اور انہی اعمال

کی ترغیب وفضیلت پر دلالت کرنے والی کوئی حدیث، اگر ضعیف بھی ہے تو اس کو بیان کرنے اور اس پرعمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ فضائل اعمال کی ترغیب میں ضعیف حدیث کے بیان اور اس پرعمل کی جو اجازت ورخصت محدثین وعلماء نے دی ہے وہ اسی طرح کے اعمال سے متعلق ہے، جن کا اجمال اور تفصیل دونوں نص صحیح سے ثابت ہو، بشرطیکہ وہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو اور نہ ہی اس سے ان اعمال کی تفصیل (دن، وقت، تعداد اور کیفیت وغیرہ) میں کوئی کمی یا زیادتی ہوتی ہو۔

دوسری قسم کے اعمال وہ ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل ہی نہیں ہے، جیسے رہبانیت، گناہ کے خوف سے خصی کرالینا، دھوپ میں کھڑے ہوکر عبادت کرنا، یا خاموشی کا روزہ رکھنا وغیرہ وغیرہ، اس لئے ان اعمال کی ترغیب کے لئے کسی ضعیف حدیث کا بیان، اور اس پرعمل باطل اور ناجائز ہے کیوں کہ شریعت میں ان اعمال کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

تیسری قسم کے اعمال میں مطلق اور عام نفلی اذکار، نفلی نماز اور نفلی روزے وغیرہ آتے ہیں، جن کا اجمال تو نص صحیح سے ثابت ہے۔ لیکن تفصیل (یعنی دن، وقت، تعداد اور کیفیت وغیرہ کی مخصوص پابندی) ثابت نہیں ہے۔ اس لئے ان اعمال کی تفصیل کو ثابت کرنے کے لئے ضعیف حدیث سے استدلال کرنا یا اس پرعمل کرنا غلط اور ممنوع ہے۔ کیونکہ ان اعمال کی تفصیل نص صحیح سے ثابت نہیں ہے۔ مثلاً: ذکر کے اجمالی ثبوت سے، جمعہ کے دن، نماز فجر کے بعد، بیٹھ کر پانچ ہزار کی تعداد میں ذکر کرنا، اور اس کے حق میں ضعیف حدیث سے استدلال کرنا غلط اور ممنوع ہے۔ یا نفلی نماز کے اجمالی ثبوت سے، شعبان کی پندرہویں رات کے تفصیلی نوافل، (جو مخصوص دن، رات وقت، رکعت اور کیفیات کی تفصیل سے مقید ہیں) کے ثبوت میں، ضعیف حدیث سے استدلال اور اس پرعمل کرنا غلط ہے، یا نفلی روزے کے اجمالی ثبوت سے ستائیسویں رجب کے مخصوص روزے کے ثبوت میں دلیل لانا غلط اور ممنوع ہے، جب تک ان کی ان تفصیلات پر دلالت کرنے والی صحیح حدیث اور نص موجود نہ ہو، جن کی پابندی ان نفلی عبادت کی ادائیگی میں لازم وضروری سمجھی جاتی ہے۔ کیوں کہ کسی

عمل یا عبادت کے اجمالی ثبوت سے، اس کی تفصیل (دن، وقت، تعداد اور کیفیت) کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا۔ بالکل ویسے ہی جیسے (اقیموا الصّلوٰۃ) نماز قائم کرو کے اجمالی حکم اور نص سے، فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی تفصیلی اور مخصوص نمازیں جو وقت، تعداد رکعت اور دیگر کیفیات کی تفصیل سے مقید ہیں، ثابت نہیں ہوتیں، اگر ان کی ان تفصیلات پر دلالت کرنے والی دوسری صحیح حدیث اور نص موجود نہ ہوتی۔ یا (اٰتوا الزّکوٰۃ) زکوٰۃ ادا کرو، کے اجمالی حکم اور نص سے، ڈھائی فیصد سالانہ زکوٰۃ کی ادائیگی ثابت نہیں ہوتی، اگر ڈھائی فیصد سالانہ کی تفصیل پر دلالت کرنے والی دوسری صحیح حدیث اور نص موجود نہ ہوتی۔ یا (کتب علیکم الصیام) تم پر روزے فرض کئے گئے کے اجمالی حکم اور نص سے، رمضان کے مہینے کا مخصوص روزہ ثابت نہیں ہوتا اگر اس مہینے کی تفصیل پر دلالت کرنے والی دوسری نص موجود نہ ہوتی۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ بالکل اسی طرح...... (فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا) اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، کے اجمالی حکم اور نص سے، کسی خاص دن، کسی خاص وقت، کسی خاص تعداد اور کسی خاص کیفیت کی تفصیل سے مقید، ذکر ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر ان کی ان تفصیلات پر دلالت کرنے والی دوسری صحیح حدیث اور نص موجود نہیں ہوتی۔ کیوں کہ اعمال کا اجمال اور تفصیل دونوں کا صحیح حدیث اور نص سے ثابت ہونا لازمی و ضروری ہے، جس پر قرآن و سنتِ ثابتہ سے ماخوذ، فقہاء و علماء کا یہ قاعدہ کلیہ اور اصول دلالت کرتا ہے کہ ’’ ان الاحکام لا تثبت اِلا من طریق صحیح ‘‘ حقیقت میں احکام تو صحیح طریقے (نص صحیح) ہی ثابت ہوتے ہیں۔

ضعیف حدیث پر عمل اور اس کے بیان کا حقیقی دائرہ و محل پر

امام شاطبیؒ کی محقّقانہ بحث کا خلاصہ

زیر بحث موضوع کی مزید وضاحت و تشریح کے لئے، مناسب اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کی ترغیب و فضائل کے باب میں، ضعیف احادیث کا بیان کب اور کس قسم کے اعمال میں صحیح،

اور کب، کہاں اور کس قسم کے اعمال میں غلط اور ممنوع ہے۔ اس کی جو نہایت مدلل اور محققانہ بحث، امام شاطبیؒ نے ’’الاعتصام‘‘ میں کی ہے اس کا خلاصہ نقل کر دیا جائے تاکہ اشکال و غلط فہمی رفع ہو کر، حق پوری طرح واضح اور روشن ہو جائے۔

شریعت میں اعمال کی نوعیّتوں کے اعتبار سے، کسی عامل کا کوئی عمل تین حالتوں میں کسی ایک حالت پر ہوگا۔

اول: عمل کی اصل، اجمالاً اور تفصیلاً دونوں حیثیتوں سے نص شرعی (قرآن وحدیث) سے ثابت ہو۔

دوم: عمل کی اصل، اجمالاً اور تفصیلاً دونوں حیثیتوں سے نص شرعی سے ثابت نہ ہو۔

سوم: عمل کی اصل تو اجمالاً ثابت ہو لیکن تفصیلاً ثابت نہ ہو۔

پس جہاں تک ان اعمال کا تعلق ہے، جن کی اجمال اور تفصیل دونوں نصِ صحیح سے ثابت ہے، اور جن کی صحت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ مثلاً فرض نمازیں اور روزے وغیرہ یا عاشوراء کا مستحب روزہ یا عرفہ کا روزہ، یا وتر اور تہجد کی نماز یا کسوف کی نماز وغیرہ۔ انہی اعمال کی ترغیب وفضائل کو بیان کرنے والی کوئی ایسی حدیث ہے جو صحت کی تمام شرائط پر تو پوری نہیں اترتی، مگر اتنی ضعف بھی نہیں ہے جسے کسی محدث اور فقیہ نے قبول ہی نہ کیا ہو، اور نہ وہ موضوع اور جعلی ہی ہو، جس کو دلیل اور ثبوت میں پیش کرنا ہی درست نہیں ہے، تو ان اعمال کے فضائل کی ترغیب میں اس قسم کی ضعیف حدیث کو بیان کرنے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیوں کہ ان اعمال کا اجمال اور تفصیل دونوں دوسری صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، بشرطیکہ ان اعمال کی مقدار، اوقات وکیفیات کی جو تفصیل نص صحیح سے ثابت ہے، ان میں اس ضعیف حدیث کی وجہ سے، نہ تو کوئی کمی واقع ہوتی ہو اور نہ کسی قسم کی زیادتی ہی۔

جہاں تک ثانی کا تعلق ہے یعنی جن اعمال کا اجمال اور تفصیل دونوں نص شرعی سے ثابت نہیں ہے، تو ان اعمال کا باطل اور غلط ہونا بالکل واضح اور ظاہر ہے۔ اور یہ عین بدعات ہیں کیوں کہ ان کا مرجع مجرد خواہش نفسِ پر مبنی رائے سے ہے جو بدعت کی بدترین شکل ہے۔ مثلاً رہبانیت، جو اسلام

میں ممنوع ہے، یا گناہ کے خوف سے خصی کرانا، دھوپ میں کھڑے ہو کر عبادت کرنا، یا خاموشی کا روزہ رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ ان کی ترغیب وفضائل میں، ضعیف حدیث سے استدلال اور اس پر عمل غلط اور ممنوع ہے۔ کیوں کہ شریعت میں ان کا کوئی وجود اور اصل ہی نہیں ہے کہ ان کی ترغیب کی کوئی ضرورت ہو۔

جہاں تک تیسرے کا تعلق ہے یعنی جو اجمالاً تو نص شرعی سے ثابت ہے لیکن تفصیلاً ثابت نہیں ہے۔ اسی کے بارے میں کچھ لوگوں کا گمان یہ ہے کہ اس کا حکم بھی اول کی طرح ہے۔ یعنی جن کا اجمال اور تفصیل دونوں نص شرعی سے ثابت ہیں۔ اور غلط فہمی اور مغالطہ یہ ہے کہ جب عمل کا اجمال نص سے ثابت ہے، تو اس کی تفصیل کے معاملے میں ایسی ضعیف احادیث پر عمل یا اس سے استدلال کرنے میں کوئی حرج یا مضائقہ نہیں ہے، جو صحت کی شرائط پر پوری نہیں اُترتیں۔ مثلاً نفل نماز جو اپنی اجمالی حیثیت میں نص شرعی سے ثابت ہے۔ اس لئے نفل نماز کی اس اجمالی مشروعیت کے ثبوت کی بنا پر، اگر شعبان کی پندرہویں رات کی نفل نماز کی فضیلت وترغیب میں کوئی ضعیف حدیث ہے، تو اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیوں کہ نفل نماز کی ترغیب (اجمالاً ہی سہی) تو نص شرعی سے ثابت ہے یا اسی طرح جب نفل روزہ، جو اجمالی حیثیت سے شریعت میں ثابت ہے، تو نفل روزہ کے اس اجمالی ثبوت سے ستائیسویں رجب کا مخصوص اور تفصیلی روزہ بھی ضعیف حدیث کی بنیاد پر ثابت ہو جاتا ہے اور اسی جیسا معاملہ وحکم دوسرے مستحب اجمالی اعمال کا بھی ہے۔

لیکن معاملہ وحکم ویسا نہیں ہے، جیسا کہ ان حضرات کا گمان اور مغالطہ ہے۔ کیوں کہ جب کوئی عمل اپنی اجمالی حیثیت میں نص سے ثابت ہو، تو اس اجمالی ثبوت سے، اس عمل کی تفصیل، یعنی دن، وقت، تعداد اور کیفیت وغیرہ کی قید کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا۔

یہ بات خاص طور پر سمجھنے اور ملحوظ رکھنے کی ہے۔ مطلق اور اجمالی اذکار ونوافل کے شرعی ثبوت سے دنوں، اوقات، تعداد اور کیفیات سے مقید اور مخصوص تفصیلی اذکار ونوافل کا ثبوت صحیح نہیں ہے۔

جب تک ان کی تفصیلات پر دلالت کرنے والی کوئی خاص نص اور صحیح حدیث موجود نہ ہو کیوں کہ مطلق اور اجمالی نماز کے ثبوت سے ظہر، عصر، اور وتر وغیرہ کی مقید، خاص اور تفصیلی نمازوں کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ اور اسی طرح مطلق اور اجمالی روزہ کے ثبوت سے رمضان کے روزوں، یا عاشوراء کے روزوں، یا شعبان وغیرہ کے مقید، خاص اور تفصیلی روزوں کا ثبوت بھی لازم نہیں آتا، جب تک ان کی تفصیلات پر دلالت کرنے والی خاص نص اور صحیح حدیث موجود نہ ہو۔

اس لئے ان حضرات کے گمان کی شریعت میں کوئی اصل ہی نہیں ہے کیوں کہ مطلق اور اجمالی طور سے ثابت عام نفلی نمازوں کے درمیان، اور شعبان کی پندرہویں شب کی خاص نفل نماز کے پڑھنے میں، جس کی ہر رکعت میں کچھ خاص سورتوں کو اتنی اور اتنی بار پڑھنے میں۔ یا فلاں مہینے میں فلاں دن کا خاص روزہ رکھنے کے درمیان، کوئی ایسا باہمی ربط وتعلق نہیں ہے، جس سے ان دونوں طرح کے اعمال کو ایک مانا جائے۔ اور ایک کے ثبوت سے دوسرے کا شرعی طور پر ثابت ہونا لازم قرار دیا جائے۔ کیوں کہ مطلق اور اجمالی نماز، روزہ کے شرعی ثبوت میں کوئی دلیل شرعی ایسی موجود نہیں ہے، جو ان مخصوص تفصیلات پر دلالت کرتی ہو جن کا اہتمام وپابندی شب برأت کی نماز اور اس جیسی دوسری مخصوص نفلی نمازوں اور روزوں میں دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی شکل میں کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ مخصوص نفلی نماز وروزے، خاص دنوں میں اور خاص طریقوں سے مقصود بالذات بن جاتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ:

مطلق اور عام دنوں کے علاوہ، کسی خاص دن، وقت، تعداد، اور کیفیت میں، کسی نفلی عبادت یا عمل کی فضیلت، کسی خاص حکم شرعی اور نص صحیح سے مستنبط اور ماخوذ ہونا چاہئے، جو خصوصیت سے اس خاص دن، وقت، تعداد وکیفیت کے لُزوم کے ساتھ، اس عبادت یا عمل کی فضیلت پر دلالت کرتا ہو۔ جیسے عاشوراء یا عرفہ کے مخصوص دنوں کے روزے، عام دنوں کے نفلی روزوں پر فضیلت رکھتے ہیں کیوں کہ عام دنوں کے روزوں کے مقابلے میں ان کی فضیلت حکم خاص سے ثابت ہے۔ اور یہ خصوصی

ثبوت، شریعت میں ان خاص دنوں کے نفلی روزوں کے لئے، دوسرے عام دنوں کے نفلی روزوں کے مقابلے میں افضل مرتبہ و درجہ پر دلالت کرتا ہے ۔ کیوں کہ مطلق اور عام دنوں کے نفلی روزوں و نمازوں کے شرعی ثبوت سے کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت میں، ان نفلی نمازوں اور روزوں کی فضیلت کا ثبوت ناقابل فہم ہے اور کسی نفلی عمل کے صرف عام اور مطلق شرعی ثبوت سے اس نفل اور نیک عمل کا ثواب، شریعت میں دس نیکی سے لے کر، اس جیسی سات سو نیکیوں کے ثواب کے برابر ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں عاشوراء کے خاص نفلی روزوں کا ثواب پورے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ عام نفلی روزوں کے مقابلے میں، عاشوراء کے خاص نفلی روزوں کا یہ ثواب، شریعت میں عام نفلی روزوں پر، عاشوراء کے خاص نفلی روزوں کی اضافی فوقیت، اہمیت اور فضیلت کو ثابت کرتا ہے۔

مزید یہ کہ کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت میں کسی خاص نفلی نماز اور روزے کی ترغیب اور فضیلت کا بیان اور تاکید، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ نفلی نماز و روزہ عام مستحب نفلی نماز اور روزے کے مقابلے میں خاص مستحب نفلی نماز و روزہ کے درجے اور حکم میں ہے۔ اس لئے شرعاً یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اس خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی نفلی نماز اور روزے کی فضیلت اور ترجیح کا ثبوت لازماً احادیث صحیحہ سے ہو۔ محدثین، فقہا اور علماء کے اس اصول کی بنیاد پر کہ شریعت میں کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت میں کسی شرعی عمل کے حکم کا ثبوت، صرف صحیح حدیث اور طریقے سے ثابت ہوتا ہے، ضعیف حدیث اور غلط طریقے سے نہیں ہوتا۔'' ان الاحکام لا تثبت الّا بِنْ طَرِیق صحیح ۔'' حقیقت میں احکام صرف صحیح طریقے سے ثابت ہوتے ہیں، ورنہ نہیں۔

چنانچہ مطلق اور عام نفلی اذکار و نوافل میں، جن نئی باتوں، ضابطوں اور اضافوں کا اثبات ضعیف احادیث سے استدلال کر کے کیا جاتا ہے، ان سب میں شریعت سے ثابت عام اذکار و نوافل پر وقت، دن، تعداد اور کیفیت کی مخصوص قیدوں کا اضافہ و زیادتی پائی جاتی ہے۔

اس لئے ان مخصوص قیدوں کے اضافہ و زیادتی کے شرعی ثبوت کے لئے صحیح احادیث سے

استدلال لازمی و ضروری ہے، ورنہ صحیح شرعی طریقوں کے بجائے، غلط اور غیر شرعی طریقوں سے ان اضافی اوقات، تعداد اور کیفیات کا ثابت ہونا لازم آئے گا، جو فقہا و علماء کے قائم کردہ اصول و قاعدہ کلیہ کے منافی ہے۔

اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ محدثین و فقہا کے اس اصول کا اطلاق، صرف حلت اور حرمت کے احکام پر ہوتا ہے۔ کیوں کہ یہ بات بے دلیل ہے۔ اسلئے جس طرح صحیح حدیث و نص کے بغیر حلّت و حرمت کے وجوب کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح مطلق اور عام اذکار و نوافل میں نئی قیدوں، ضابطوں اور طریقوں کے اضافہ کا اثبات بھی نص صحیح کے بغیر ممنوع ہے۔ اس لئے کہ احکام فرض، مستحب، مباح، حرام اور مکروہ، پانچ قسم کے ہوتے ہیں۔ اور ان سارے احکام کا شرعی حکم صرف نصِ صحیح سے ہی ثابت ہوتا ہے۔ البتہ جیسے ہی کسی عمل میں دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی قید و پابندی کا کوئی شرعی حکم، صحیح نص شرعی سے ثابت ہو گیا، تو اس ثبوت کے بعد، ان قیدوں و اضافوں کے حق میں۔ ضعیف احادیث سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو ضعیف احادیث سے کسی عمل یا اس کی قیدوں کا اثبات درست نہیں، بلکہ غلط اور ممنوع ہے۔ اس لئے ہر لحاظ سے یہ لازم و ضروری ہو جاتا ہے کہ عام اور مطلق و نوافل سے متعلق ہر وہ اضافی قید (خواہ وہ دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی شکل میں ہو یا کسی اور صورت میں) جس کی ترغیب دی جائے اس کا شرعی حکم، صحیح احادیث و طریقوں سے ثابت ہونا چاہئے۔ کیوں کہ ایسی اضافی قیدوں کی ترغیب، جو ضعیف حدیثوں کے علاوہ صحیح احادیث و طریقوں سے ثابت نہیں ہیں، ایک ایسی غلطی ہے جو اصلاح طلب ہے اور ان دلائل کی بنیاد پر، فضائل اعمال کی ترغیب میں بھی صحت حدیث کی شرط ابدی و لازمی ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا ہے۔ تو وہ راسخین فی العلم کے طریقوں کی خلاف ورزی کرتا ہے۔'' (الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ تا ۱۸۵)

زیر اہتمام: محمد صدیق قریشی
Pixel Arts Mobile: 9820790615
Printed at: **Fatima Printers**
Tilak Nagar, Saki Naka Mumbai - 400070